دعا کے بغیر بدیوں سے بچنا ممکن نہیں۔
مسلسل دعا، توکّل و کوشش سے ہی نئی زندگی حاصل ہوگی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 / اکتوبر 1996ء بمقام بیت النور اوسلو، ناروے)

حضور نے تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد فرمایا:

گزشتہ خطبہ جمعہ میں میں نے ناروے کی جماعت کو تبلیغ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ دعوت الی اللہ گھر سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ جب تک تم اپنے نفس کو دعوت الی اللہ کی طرف نہیں بلاتے اور تمہارا نفس لبیک کہتا ہوا اللہ کی طرف آ نہیں جاتا اس وقت تک عمل صالح ہو نہیں سکتا اور اگر عمل صالح نہ ہو تو دعوت الی اللہ جو غیروں کو دی جاتی ہے وہ بے معنی اور بے کار ہو جاتی ہے اس کا حسن زائل ہو جاتا ہے۔ پس دعوت الی اللہ کی خوبصورتی کے لئے قرآن کریم نے کیسی عمدہ شرط باندھی ہے کہ دوسروں کو دعوت کرو مگر اپنے آپ کو بھی بلکہ اپنے آپ کو کرو گے تو تمہارا حق ہے کہ دوسروں کو دعوت دو ورنہ تمہارا دعوت دینا بے کار ہوگا۔ جیسا کہ انگریزی میں کہتے ہیں Physician, heal thyself دنیا کہہ سکتی ہے کہ اے علاج کرنے والے اپنا تو علاج کر۔

پس جتنی جتنی اصلاح ہوتی چلی جائے اسی حد تک اتنی اتنی انسان کو دعوت الی اللہ کی توفیق ملتی چلی جاتی ہے مگر اس کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ یہ وہ دوسرا نکتہ ہے جو میں آج آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ اس انتظار میں آپ نہیں بیٹھ سکتے کہ جب تک میں اپنے نفس کی پوری اصلاح نہ کرلوں اس

وقت تک قرآن مجھے دعوت الی اللہ کا حق نہیں دے رہا، یہ بالکل غلط استنباط ہے کیونکہ نفس کی اصلاح تو ایک لامتناہی سلسلہ ہے، نہ ختم ہونے والا۔ اس کا ماڈل جو قرآن کریم نے ہمارے لئے مقرر فرمایا وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے عقب میں چلنے والے تمام انبیاءؑ، آپؐ کے عقب میں چلنے والے ان معنوں میں کہ صفات حسنہ میں قرب الٰہی کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ نے جو نمونے قائم فرمائے کوئی نبی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس زمانے کے لحاظ سے وہ پہلے تھے مگر چلنے کے لحاظ سے وہ پیچھے رہ گئے۔ ان معنوں میں یہ کوئی فرضی بات نہیں ہو رہی ایک حقیقی تعریف ہے جو سو فیصد درست ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عقب میں تمام انبیاءؑ کا سفر ہے اور صراط مستقیم کا جو پہلا گروہ ہے وہ یہی ہے جو آگے آگے بڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں دعا سکھاتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: 6,7) کی پیروی کرنی ہے جو اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ بلاشبہ آنحضرت ﷺ کی صفات حسنہ کا نیک سے نیک انسان بھی حقیقی تصور نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو اور اس دور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے غلام احمد کا لقب دے کر آپ کو اس کام پر مامور فرمایا اور آپؑ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت حسنہ میں اس طرح جھانکنے کی توفیق عطا فرمائی کہ پہلے کبھی کسی نے اس پیار اور محبت اور اس قرب کے ساتھ آپؐ کی سیرت کا سفر نہیں کیا تھا۔ آپؐ کی سیرت کے مطالعہ میں کوئی غرق نہیں ہوا تھا جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ آپؐ کی سیرت کے مطالعہ میں اللہ کی توفیق سے غرق ہوئے ہیں یعنی ایسی دنیا میں چلے گئے جو ہمیشہ کے لئے آپؑ کی دنیا بن گئی۔

آپؑ کا کوئی مضمون، آپؑ کی کوئی تحریر، نثر ہو یا نظم ہو اس ذکر سے خالی نہیں ملتی کہ جو کچھ آپؑ نے پایا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے پایا۔ پس اللہ کی تعریف کے بعد بار بار حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا قرب مجھے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ملا ہے۔ یہ وہ ہے جو اندر کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ باہر دروازے تک نہیں پہنچاتا۔ یہ وہ رسولؐ ہے جو ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتا ہے اور حسن کی بارگاہ کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ پس اس پہلو سے آنحضرت ﷺ کا بلند مرتبہ، عالی مقام اور وہ منزل جس منزل پر آپؐ ہم سے آگے جا پہنچے ہیں اس کا کوئی تصور عام انسان نہیں کر سکتا۔ ہم بھی جوں جوں آپؐ کے حسن کا مطالعہ کرتے ہیں حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ سے دیکھیں تو مزہ آتا ہے ورنہ باہر کی سطح پر ہی نظریں گھومتی رہتی ہیں۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کو مرتبہ حاصل ہوا کہ جیسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے گھر کے اندر کی راہ دکھائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں اس کا مطالعہ کریں نظموں میں اس کا مطالعہ کریں تو انسان اگر یہ سوچے کہ میں نے اس نبیؐ کی پیروی کرنی ہے تو لرز جائے گا۔ تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ انسان ساری زندگی بھی اس نبیؐ کی پیروی کرتے ہوئے حقیقت میں پیروی کا حق ادا کر سکے۔ یہ باتیں روحانی دنیا کی باتیں ہیں۔ بہت سے آدمی شاید اس کو نہ سمجھ سکیں مگر عام دنیا میں آپ روزمرّہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔

ایک دنیا کا چیمپیئن کسی کھیل میں بھی ہو آپ جب اس کو جیتتا ہوا دیکھتے ہیں اور بڑے بڑے چیمپیئنز کے سامنے، بڑے بڑے دنیا کے ہیروؤں کے اور چیمپیئنز کے ساتھ اس کے مقابلے دیکھتے ہیں تو حقیقت میں آپ کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کتنا بڑا انسان ہے اس نے اپنی کھیل میں کتنا بڑا مرتبہ حاصل کیا ہے۔ جن ملکوں کو ہرا کر وہ اوپر آیا ہے ان ملکوں کے چیمپیئنز کے متعلق بھی آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ آپ سے کتنا آگے ہیں اور وہ جب اپنے ملک میں جیتتے ہیں تو اپنے ملک میں جن کو ہراتے ہیں ان کا بھی آپ صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ جو آپ کے ضلع اور آپ کی تحصیل، آپ کی کاؤنٹی میں جو چیمپیئن ہیں ان سے دو دو ہاتھ کر کے دیکھیں تب آپ کو پتا چلے گا کہ ان کے مقابل پر آپ کی کچھ بھی حیثیت نہیں، کچھ بھی مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ عام روزمرّہ کے آدمی کی بات کر رہا ہوں وہ اپنے ضلع کا چیمپیئن چھوڑ کے اپنے سکول کے چیمپیئن سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اب دیکھیں درجہ بدرجہ ان لوگوں کا مقام کتنا بلند ہو چکا ہے جو عالمی مقابلوں میں اوّل مقام پر پہنچتے ہیں اور آپ گھر بیٹھے آرام سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کی غلطیاں بھی دیکھتے ہیں اس کی کامیابیاں بھی، تبصرے بھی کرتے ہیں کہ یہ کرتا تو بہتر تھا، یہ ہوتا تو اچھا ہو جاتا لیکن کوئی تصور بھی نہیں کر سکتے حقیقت میں کہ آپ کے اور ان کے درمیان فاصلے کتنے ہیں۔ روحانی دنیا میں تو یہ تصور اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی ایک دور کے چیمپئن نہیں ہیں کل عالم کے ہر دور کے چیمپئن ہیں۔ تو ایسا وجود جس کو خدا یہ قرار دے دے کہ تمام زمانوں میں، ہر ملک میں، ہر قوم میں جب سے دنیا بنی ہے جب تک دنیا قائم رہے گی اس وقت تک تو ہی ہے جو سب پر بالا رہے گا اور سب پر فائق رہے گا

اس کے پیچھے چلنے کا ادعا لے کر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی اور جو منزل ہے وہ آپ نے دیکھ لیا کہ کتنی دور کی ہے۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ اس منزل تک پہنچیں گے تو پھر تبلیغ شروع کریں گے حد سے زیادہ بے وقوفی ہوگی کیونکہ وہ منزل نہ آپ کے ہاتھ آنی ہے نہ کہیں تبلیغ ہوگی۔ اپنے وجود کو ضائع کر دیں گے اور جو کچھ ہاتھ میں ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔

اس لئے یہ مقصد، یہ مضمون کہ آپ اپنے نفس کو خدا کی طرف بلائیں اور اس کے نتیجہ میں عمل صالح پیدا ہو اور آپ کی آواز میں طاقت پیدا ہو ہرگز آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ جب تک آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے اپنی سب بدیاں دور کر دی ہیں اور سب نیکیاں حاصل کر لیں اس وقت تک آپ کو میدان عمل میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمام دنیا میں سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی کو تبلیغ کا حق نہیں رہتا پھر کیونکہ اس مرتبہ کو جو آنحضور ﷺ نے حاصل فرمایا آپؐ کے صحابہؓ بھی نہیں پہنچ سکے تھے بڑے سے بڑے صحابہؓ بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے تو اس لئے یہ وہم دل سے نکالیں لیکن وہ مضمون اپنی جگہ اہم ضرور ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصلاح نفس کے بغیر آپ دنیا کی اصلاح کے لئے قدم اٹھا سکتے ہیں۔

پس ان دونوں کے درمیان توازن کا قیام ضروری ہے اور یہی بات ہے جو میں آپ کو سمجھا کر حوصلہ دینا چاہتا ہوں کہ جتنے قدم بھی آپ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف اٹھائیں گے اور دعا کر کے توجہ سے اٹھائیں گے اس کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ دعائیں کرتے ہوئے اپنی بدیوں کو کم کرنے کی کوشش کریں، اپنی نیکیوں کو بڑھانے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ نہ دے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی طرف جو ایک قدم بڑھاتا ہے اللہ اس کی طرف دس قدم بڑھاتا ہے۔ پہلے فرمایا ایک بالشت بڑھاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی طرف کئی قدم بڑھاتا ہے اور چل کے جاتا ہے تو وہ دوڑ کے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دعاؤں کے نتیجے میں جو ہمیں پھل ملتا ہے وہ ہماری کوششوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

پس اپنے نفس کا جائزہ لیں۔ ہر انسان بے شمار کمزوریوں میں مبتلا ہے اور یہ ایک فیصلے کا دن ہونا چاہئے کہ آج کے بعد میری زندگی کا سفر کمزوریوں سے دوری کا اور نیکیوں کے قرب کا سفر ہوگا۔ جس دن آپ یہ فیصلہ کر لیں اسی دن آپ کو دعوت الی اللہ کی توفیق ملے گی اور دعوت الی اللہ کا حق

بھی نصیب ہو جائے گا کیونکہ آپ اپنی کوششوں سے اگر چہ کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں کوئی منزل سر نہ کرسکیں لیکن جب دعا کریں گے اور قرب الٰہی کی طرف قدم بڑھائیں گے تو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان لازماً صادق آئے گا اور اس کے نتیجے میں جو روزمرہ کی صحت کی حالت ہے یعنی روحانی صحت کا نصیب ہونا وہ غیر معمولی فرحت بخشنے والی بات ہے اور طاقت عطا کرتی ہے اس کے نتیجے میں انسان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں اور خود اچھی چیزوں کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔

ہر انسان کو بیماریوں کا تجربہ ہے بیماری کی انتہائی حالت میں بھی انسان سمجھتا ہے کہ میں زندہ ہوں لیکن نہ بھوک، نہ پیاس، نہ کچھ کھانے کو دل چاہے، نہ کسی سے ملنے کو، نہ بات کرنے کو اور سمجھ رہا ہے آدمی کہ میں زندہ ہوں لیکن جب زندگی لوٹتی ہے اس کی طرف تو ہر لمحہ وہ اپنے آپ کو پہلے سے بہتر محسوس کرتا ہے اور اس کی بھوک واپس آنے لگتی ہے اس کی طلب واپس آنے لگتی ہے۔ وہ چیزیں جن میں مزہ باقی نہیں رہا تھا وہ مزہ دینے لگتی ہیں۔ وہ دوست جن سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی وہ نظر آئیں تو طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ اپنے زیادہ اپنے لگنے لگتے ہیں۔ یہ زندگی کا سفر ہے جو بیماری کے وقت ہر انسان اس سے نجات کے وقت شروع کرتا ہے اور یہ سفر بتاتا ہے کہ ہر لمحہ جو قدم اٹھاتا ہے وہ ایک بشاشت کا قدم ہے اس میں ایک طلب پیدا ہو جاتی ہے اور یہی صورت حال ہے جو انسان کو روحانی سفر میں نصیب ہوتی ہے۔

جب بھی آپ بدیوں سے دور ہونے کا سفر کریں گے اور دعا کریں گے کیونکہ دعا کے بغیر یہ سفر ممکن نہیں ہے تو آپ کے اندر ایک نئی زندگی جاگ اٹھے گی۔ جو آپ سب سے زیادہ اس کے گواہ بنیں گے کہ ہاں میں زندہ ہو رہا ہوں۔ وہ زندگی ہے جو آپ کو دعوت الی اللہ کی توفیق عطا کرے گی اور جتنا بھی آپ دعوت الی اللہ اس زندگی کے حصول کے ساتھ کریں گے اتنا ہی اس دعوت الی اللہ یعنی اللہ کی طرف بلانے میں برکت نصیب ہوگی اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونے لگیں گے۔ پس انتظار نہیں کرنا کہ جب تک بدیاں ہٹ نہ جائیں اس وقت تک دعوت نہیں کرنی، نہ اس بات پر تسلی رکھ کر اپنی عمر ضائع کرنی ہے کہ عمر بڑی پڑی ہے کسی وقت بھی ٹھیک ہو جائیں گے اب چلنے دو۔

جدوجہد کا آغاز فوری طور پر ضروری ہے اور دعا اور توکل کے بغیر یہ جدوجہد زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلسل دعا، مسلسل توکل اور پھر کوشش اور اخلاص کے ساتھ کوشش، یہ وہ چیز ہے جو آپ کو ایک نئی

زندگی بخشے گی، نئی طاقتیں عطا کرے گی اور اپنے گردوپیش کو آپ زندہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرلیں گے۔ اگر یہ نہیں کرتے تو پھر آپ کی دعوت الی اللہ بے کار ہے، بے ثمر رہے گی۔ لوگ جو نظریاتی لحاظ سے بات مان بھی جائیں گے لیکن جو تبدیلی پیدا کرنے کی طاقت ہے وہ عمل صالح سے ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جو اچھے قول کی مثال دی ہے وہاں عمل صالح کے متعلق فرمایا وہ اس کو رفعت بخشتا ہے۔

تو اچھا قول ان معنوں میں بھی وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ (حٰمٓ السجدہ: 34) اس سے بہتر کون سا قول ہو سکتا ہے اس سے زیادہ خوبصورت کون سی بات ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے اللہ کی طرف بلا رہے ہوں لوگوں کو۔ ایسا بلانا ہے جس پر دنیا کا کوئی انسان اعتراض نہیں کر سکتا۔ جو نہیں بھی مانتے وہ بھی نہیں اعتراض کر سکتے۔ وہ کم سے کم گردن جھکا کے سنیں گے۔ کہیں گے ہم مانتے تو نہیں خدا کو لیکن آدمی اچھا ہے جو خدا کی طرف بلا رہا ہے۔ اس دعوت کی طرف بلائیں تو یہ قول حسن یعنی سب سے خوبصورت قول ہے مگر اس کو رفعت کیا چیز بخشتی ہے آپ کا نیک عمل۔ اگر نیک عمل ساتھ نہ ہو تو بعض دفعہ یہ قول الٹا پڑ جاتا ہے۔ بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں حالت دیکھو ذرا بُلا کس طرف رہا ہے اور اپنا کیا حال ہے۔ گنجا سر کے گنجے پن کی دوائیں بیچتا پھرتا ہو تو کون ہے جو اس کی طرف توجہ دے گا سوائے اس کے کہ لوگ ہنسیں اور مذاق اڑا کر الگ ہو جائیں۔

اس لئے آپ کا بنیادی فرض ہے کہ یہ روزمرّہ کی حکمت کی عام باتیں ہیں ان کو تو سمجھیں ان میں کوئی ایچ پیچ نہیں، کوئی گہرا فلسفہ نہیں ہے، بڑی معرفت کی بات نہیں ہے، سادہ سی بات ہے کہ جس کی طرف آپ نے بلانا ہے اس کی طرف بڑھنے کی خود کوشش شروع کریں اور جب آپ کوشش شروع کریں گے تو اس کے نتیجہ میں ایک تو برکت وہ ہے جو سچائی کی برکت ہوتی ہے۔ ایک انسان جب یقین کرتا ہے کہ اللہ ہی ٹھیک ہے، اللہ ہی کی طرف جانا ہے تو اس کے اندر ایک سچائی کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی کوششوں کے بعد وہ سچائی کی طاقت ہے جو اس کے قول کو نصیب ہوتی ہے۔ سچے آدمی کی بات دنیا سنتی بھی ہے اور دنیا پر وہ اثر انداز بھی ہوتی ہے اور یہاں سچائی کا ایک معنی ہے جو آپ کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔

کئی لوگ ہیں ویسے سچ بولتے ہیں لیکن ان کا عمل ان کو جھٹلا رہا ہے۔ سچے لوگ ہیں مگر خدا کی طرف بڑھنے کے لئے وہ مخلصانہ کوشش نہیں کرتے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں تو جب وہ خدا کی

طرف بلائیں گے تو قول سچا ہوگا اور عمل جھوٹا ہوگا اور ایسے قول کو بھی خدا جھوٹا قرار دیتا ہے اور وہ شخص سمجھ بھی نہیں سکتا کہ میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے میں تو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور سچے دین کی طرف بلا رہا ہوں ۔ یہ تو سچی باتیں ہیں لیکن اس کا عمل اس کو جھٹلا رہا ہوگا اور ایسے شخص کے قول کو خدا جھوٹا قرار دیتا ہے ۔اس کی مثال میں نے آنحضرت ﷺ کی سچائی کی گواہی دینے والے منافقین کی صورت میں آپ کے سامنے بار بار رکھی ہے ۔اس سے سچی گواہی کیا ہوسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کوئی کہے کہ تو خدا کا رسولؐ ہے ۔اس گواہی کو پیش کر کے چونکہ وہ منافق لوگ ہیں ان کی زندگی کا عمل اس کی تائید نہیں کرتا کہ وہ عملاً آنحضرت ﷺ کو سچا سمجھ رہے ہوں ۔اللہ ان کی گواہی پیش فرما کر کہتا ہے خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ۔خدا گواہی دیتا ہے کہ تو سچا ہے لیکن تیرے سچ کی گواہی دینے والے جھوٹے ہیں ۔

تو دیکھیں بظاہر ایک متضاد بات ہے لیکن کتنی گہری صداقت اس میں پائی جاتی ہے اور تضاد نہیں ہے ۔اس میں ایک مفہوم ہے وہ سمجھنا چاہئے ۔مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان جب قول سے کچھ کہتا ہے تو اس سے بحث نہیں کہ وہ سچی بات کر رہا ہے یا جھوٹی بات کر رہا ہے اگر اس کے دل کا اندرونہ اس قول کی تائید میں نہیں ہے ،اگر عمل اس کی موافقت نہیں کرتا تو جھوٹا ہے خواہ وہ قول بظاہر سچا ہی ہو ۔تو یہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ جب آپ دعوت الی اللہ کریں گے اور آپ خود خدا کی طرف حرکت کرنا شروع کریں گے تو آپ کے اندر ایک سچائی کی گواہی اٹھ کھڑی ہوگی اس سے آپ کے قول میں برکت پڑے گی اور طاقت نصیب ہوگی اور بات بات میں فرق ہوتا ہے ۔صرف چالا کی اور لفاظی کا فرق نہیں بلکہ سچائی کے وزن کا فرق ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کو دنیا سمجھے نہ سمجھے لیکن تسلیم کئے بغیر رہ نہیں سکتی ۔

ایک سچے آدمی کی بات میں جو وزن ہے اس کے ساتھ ایک جھوٹے چالاک آدمی کی بات کا موازنہ ہو ہی نہیں سکتا ۔بڑے بڑے آپ نے دیکھے ہوں گے بڑی لفاظیاں کرنے والے ،مجلسیں لگانے والے اور سجانے والے ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ۔نہ ان کے اوپر نہ دوسروں پر ۔جیسے جیسے لطیفے چھوڑ جائیں گے لوگ ان پر ہنسیں گے ۔کوئی ایسا بے وقوف ہے وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے اور ایسے ریڈیو پر بھی بڑے آتے ہیں بیان کرنے والے لیکن اپنا کردار دیکھو تو ان باتوں سے کوئی بھی متاثر نہیں ہوا ۔نہ ان کی باتیں سن کر کسی میں نیکی پیدا ہوتی ہے ۔پروگرام پنجابی کے بھی ہیں ،اردو کے بھی

ہیں۔ ایسے بڑے بڑے لفظ آتے ہیں اور پاکستان میں بڑے وہ ہر دلعزیز پروگرام ہیں لیکن ان پروگراموں کو دیکھ کر ایک بھی آدمی صالح کبھی نہیں بنا لیکن ایک آدمی جو خدا والا ہو وہ چھوٹی سی بات کرتا ہے اس کی بات میں وزن پیدا ہوتا ہے اس میں ایک تبدیلی پیدا کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اس سلسلے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ بتاتے ہیں کہ میری ایک کمزوری تھی، میں دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا بہت لمبے عرصے سے مگر نہیں ہو رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر سامنے مخاطب کرتے ہوئے کہ تم یہ کمزوری چھوڑو ایک بات کی ہے اور وہ ایسا گہرا اثر کر گئی کہ جیسے وہ کمزوری تھی ہی نہیں لیکن ایک دفعہ نہیں ایسا بار رہا ہوا ہے۔ بہت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آنے والا آیا اور حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے متعلق اس کو سمجھانے کے لئے یا عام سب حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کوئی نصیحت شروع کر دی۔ مثلاً ایک ان میں سے تھا جو شراب کا عادی تھا اور ایسا سخت عادی تھا کہ اس کے لئے شراب چھوڑنا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا غالباً بیان ہے، مگر وہ نہ بھی ہو تو کسی اور مقتدر صحابیؓ کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بھی اس کو سمجھایا اور کوشش کی مگر اس کے پلے بات نہیں پڑی۔ باتیں ٹھیک تھیں مگر اثر نہیں پڑا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے عموماً شراب کے متعلق بات شروع کر دی حالانکہ اس نے سوال کیا بھی نہیں تھا اور چند فقروں میں اس کے متعلق کچھ ایسی باتیں کیں کہ وہیں اس کا دل پاک ہو گیا، ہمیشہ کے لئے شراب نوشی سے نفرت ہو گئی۔

تو یہ وہ قوّتِ قدسیہ ہے جس کا ذکر آنحضرت ﷺ کے حوالے سے قرآن میں ملتا ہے اور یہ قوّتِ قدسیہ آپؐ کے غلاموں میں پیدا ہوتی ہے۔ جتنا کوئی آپؐ کے قریب ہوا تنی ہی زیادہ وہ قوّتِ قدسیہ حاصل کرتا ہے۔ یہ جو مثال دی ہے اس کی تفاصیل چونکہ مجھے یاد نہیں مگر جو مرکزی نکتہ ہے وہ بالکل یہی ہے جو میں بیان کر رہا ہوں کہ بسا اوقات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کی کوششوں سے جو برائی کسی کی دور نہ ہو سکی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند فقروں نے اس برائی کو کاٹ پھینکا اور کثرت سے آپؑ کے صحابہؓ اس بات کے گواہ ہیں۔ یہ قوّتِ قدسیہ کا مشاہدہ تھا جو انہوں نے کیا اور یہی وہ چیز تھی جس نے ان کے اندر حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔

پس قوت قدسیہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے۔قوّت ِ قدسیہ سچائی کے ایک معیار کا نام ہے وہ سچائی جوانسان کے ظاہر و باطن پر پوری طرح قبضہ کر لے وہ ایک اتنی بڑی طاقت بنتی ہے کہ کوئی دنیا کی دوسری طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔آنحضرت ﷺ اس مرتبہ اور مقام پر پہنچے تھے کہ جہاں ذات حق سے آپ نے اپنا وجود پوری طرح ملا دیا۔ایسا ملا دیا کہ خدا کی طاقت جوحق کی طاقت ہے وہ آپ کی ذات میں جلوہ گر ہوئی اور یہی وہ قوت قدسیہ ہے جس کا قرآن پہلے ذکر کرتا ہے اور ہر علم اور حکمت کی بات کا بعد میں ذکر کرتا ہے۔ بار ہا میں نے سمجھایا ہے جماعت کو کہ اس نکتہ پر غور کرو کہ قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور قرآن سکھایا، آیات سکھائیں تو آیات کی تلاوت کے بعد پہلی طاقت آپؐ کی یہ تھی يُزَكِّيهِمْ۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ (الجمعہ:3)۔

وہ تلاوت قرآن کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ نے جو آپ پر آیات نازل فرمائیں وہ بیان کرتا ہے ساتھ ہی يُزَكِّيهِمْ ان کا تزکیہ شروع کر دیتا ہے۔حالانکہ سب دنیا یہ سمجھتی تھی بڑے بڑے انبیاءؑ بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ جب تک علم نہ دیا جائے، جب تک علم کی حکمتیں نہ سمجھائی جائیں تزکیہ ہو نہیں سکتا۔مگر آنحضرت ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم الشان نبی سے بھی ایک بالا قدم ہے، اوپر کا مقام ہے۔ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ اے خدا میری اولاد میں سے اور ذریت میں سے ایک ایسا نبیؐ برپا فرما جس کو تو کلام عطا کرے اور پھر وہ لوگوں کو علم سکھائے اور پھر وہ ان کو علم کی معرفتیں یعنی حکمتیں بتائے پھر ان کو پاک کرے۔

اب یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیکھو، کتنی منطقی دعا ہے جو ایک عام انسان بلکہ ایک نبی کی سمجھ کے مطابق بھی اس طرح ہونی چاہئے اس کے سوا ممکن نہیں ہے۔اللہ پہلے اسے چنے، اس کو آیات عطا کرے پھر وہ اللہ سے علم پا کر لوگوں کو علم سکھائے، پھر وہ اس علم کی حکمتیں بیان کرے اور مولویوں کی طرح تشدد کے ساتھ یہ نہ کہے کہ علم ہے خدا کا مانو تو مانو نہیں تو جاؤ جہنم میں۔محنت کرے ان پر، ان کو ہر علم کی پس پردہ یا اس کے اندر چھپی ہوئی حکمتیں سمجھائے تاکہ دماغ بھی مطمئن ہوں اور دل بھی مطمئن ہو جائیں یہ جب کیفیت ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نتیجہ نکالا کہ اس کے بعد ایسے شخص میں تزکیہ کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔محض علم دینے والا کسی کو پاک نہیں کرسکتا کیونکہ علم دماغ

کو قائل کرتا ہے حکمتیں دل کو قائل کرتی ہیں کیونکہ جب ایک علم کے متعلق پورا یقین ہو جائے کہ یہ سچا ہے اور سمجھ آ جائے کہ کیوں یہ سچا ہے تو طبعاً دل پوری طرح اس کا قائل ہو جاتا ہے اور دماغ اور دل کا یہ اتحاد ہے جو تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے۔ جب یقین ہو جائے اور دل مطمئن ہو جائے تو حضرت ابراہیمؑ نے پھر یہ نتیجہ نکالا کہ اس کے بعد ایسا وجود ان کا تزکیہ بھی کرے گا اور یہی دعا مانگی۔

جہاں بھی قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے اسی طرح مذکور ہے اے خدا ان میں سے ایک ایسا شخص پیدا کر، صرف ایک جگہ مذکور نہیں کئی جگہ ہے تین یا دو جگہ لازماً ہے، اے خدا تو ان میں سے ایسا شخص پیدا کر جس سے تو کلام کرے اس پر اپنی آیات نازل فرمائے وہ ان آیات کا علم پا کر اپنے گرد و پیش، اپنے ماحول میں وہ علم سکھانے لگے اور علم سکھانے کے بعد اس کی حکمتیں بتائے جب حکمتیں بتائے تو پھر عرض کیا وَ يُزَكِّيهِمْ اور حکمتیں بتا کر تو پھر تزکیہ ہونا ہی ہونا ہے۔ پس وہ حکمتیں بتائے اور ان کا تزکیہ یعنی ان کو پاک کرنے لگے، ان کو قدوسی بنا دے۔ اب عقلی طور پر اس دعا پر ایک ذرّہ بھی اعتراض ممکن نہیں لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام عقل کی ان حدوں سے بالا تھا یعنی عقل پر مبنی مگر اس سے اوپر کا قدم۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ جواب دیا کہ ہاں تیری دعا منظور ہے مگر اس ترتیب کے ساتھ۔ میں ایک ایسا وجود قائم کر رہا ہوں جو خدا سے الہام پا کر علم حاصل کرتا ہے روحانی علم لیکن ساتھ ہی تزکیہ شروع کر دیتا ہے۔ تزکیہ کرتا ہے تو پھر سمجھاتا ہے۔ اب یہ اور ترتیب ظاہر ہو گئی۔ حیرت انگیز ہے۔ جس سے انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں کی گندگیاں دور نہ ہوئی ہوں، جن کے اندر ٹیڑھے پن ہوں ان کو آپ بات سمجھائیں بھی تو کہاں تک سمجھا سکتے ہیں اور ان کو حکمتیں بھی بتائیں تو تبدیلی تو ہوگی مگر مشکل ہے کیونکہ جو شخص ٹیڑھے مزاج، بے ہودہ سوچوں والا، دنیا میں اٹکا ہوا اس کو عمل کی بات بھی سمجھا دیں، عمل کی حکمتیں بھی بتا دیں تو پھر بھی مزاج ادھر نہیں آئے گا، طبیعت نہیں آتی بعض دفعہ ادھر، اس کا کیا علاج؟

اس لئے حقیقت میں کوئی بدانسان اگر زیادہ بد ہو تو علم اور حکمت کے ذریعے اصلاح پذیر ہو نہیں سکتا اس میں ضرور کچھ ٹیڑھا پن باقی رہ جائے گا لیکن ایک شخص جس کا دل پاک اور صاف ہو اور وہ سچا ہو چکا ہو اور اس کے رجحانات سچے ہو جائیں اس کو آپ علم سکھائیں اور علم کی حکمتیں بتائیں تو وہ

سونے پر سہاگہ ہو جائے گا، حیرت انگیز پاک تبدیلیاں ہوں گی کیونکہ وہ کپڑا ایسا ہے جو اچھے رنگ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور گندے کپڑوں پر بعض دفعہ اچھے رنگ چڑھتے ہی نہیں جتنا مرضی زور لگا لیں۔ اس لئے پہلے جو رنگ ساز ہیں وہ کپڑوں کے رنگ کاٹتے ہیں اور جب کاٹ دیں پھر وہ ان رنگوں کو چڑھاتے ہیں جو وہ چڑھانا چاہتے ہیں اور اس سے پہلے وہ کپڑا ان کو قبول نہیں کر سکتا۔

تو انسان نے تو بہت سے شرک کے رنگ اپنے اوپر چڑھا رکھے ہیں بہت سی بدیوں کے رنگوں میں ایسا ملوث ہو چکا ہے کہ اس پر الٰہی رنگ چڑھ نہیں سکتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وہ بالا قوت عطا کی جو قوت قدسیہ میں ایک معراج ہے اس سے بڑھ کر ایک انسان کی پاکیزگی کا تصور نہیں ہو سکتا کہ سمجھائے بغیر اس کا قرب آپ کو پاک کر دے لوگ اس کے قریب آئیں اور دیکھیں کہ وہ بدل چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ حضور کے قرب میں آنے کے نتیجے میں لوگوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی ہے کہ وہ خود ساری زندگی سمجھ نہیں سکے کہ کیا واقعہ ہوا تھا اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے قرب کی ایک خاص علامت ہے۔ ایسا وجود جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا وہ خدا کے اتنا قریب تھا کہ براہ راست خدا سے الٰہی رنگ پکڑ گیا تھا اور یہ تبدیلی کی طاقت خدا کے سوا ممکن نہیں ہے۔ یا اس شخص میں ہو سکتی ہے جو الٰہی رنگ پکڑ جائے اور اس کا قرب اپنی ذات میں ایسی مقناطیسی لہریں جاری کرے کہ از خود وہ انسان تبدیل ہونا شروع ہو جائے یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔

کئی دفعہ رابطے ظاہری طور پر نہ بھی ہوں تو باطنی رابطے قائم ہوتے ہیں اور ایک انسان وہی رنگ پکڑ لیتا ہے جو ساتھ کی چیزوں کا رنگ ہے۔ آپ میں سے اکثر طلبا جانتے ہیں ٹیونگ فور، ایک ٹیونگ فور کو آپ حرکت دیں یعنی بجائیں ساتھ ایک اور پڑا ہوا ہو ٹیونگ فور یعنی بجنے والا آلہ تو اس کو آپ ہاتھ بھی نہ لگائیں جو ساتھ والا ہے جب وہ جنبش میں آئے گا اور آواز پیدا کرے گا تو جس کو آپ نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اس میں بھی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تجربہ ہمیں بچپن میں جب ہم سائنس کی کلاسیں شروع کر رہے تھے تو پہلے پہلے دکھایا تھا اور بڑا مزہ آتا تھا اس کو دیکھ کے، ایک ٹیونگ فور کہتے ہیں اس طرح ایک چیز ہوتی ہے جس کا ایک چمٹا جیسا لوہے U شکل کا وہ ایک جگہ پڑا ہوا ہے ساتھ ایک اور چمٹا بالکل ویسا ہی اسی دھات کا، اسی سائز کا، اسی وزن کا اس کو آپ چٹکی سے یوں ماریں اس

کو تو ایک سنسناہٹ سی پیدا ہو جائے گی، گونج سی پیدا ہوگی، ہاتھ رکھ کے بند کر دیں تو گونج پھر بھی آ رہی ہوگی، آپ حیرت سے دیکھیں گے تو ساتھ والا ٹیوننگ فورجس کو آپ کا ہاتھ لگا ہی نہیں پاس سے بھی نہیں گزری انگلی، وہ بجنے لگ گیا ہے۔

تو یہ قوّتِ قدسیہ ہے جو پاک وجودوں کو عطا ہوتی ہے اور پھر وہ اپنے قرب میں وہی لہریں ان کی روحوں میں ،ان کے اجسام میں ،ان کے دلوں میں،ان کے دماغوں میں جاری کر دیتے ہیں۔پس آنحضرت ﷺ کی قوّتِ قدسیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ گواہی دی ہے کہ میں بھی تیرہ سو سال کے فاصلے پر زمینی لحاظ سے،جغرافیائی لحاظ سے اتنا دور ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کی قوّتِ قدسیہ سے زندہ ہوا ہوں کیسی عظیم گواہی ہے، حیرت انگیز، کہ وہ قوّتِ قدسیہ جس پہ ہم تعجب کررہے تھے کہ ساتھیوں کے بغیر بتائے کیسے نیک اور پاک کر دیا۔آج ایک انسان، غلام پیدا کرتا ہے وہ دعویٰ کرتا ہے خدا کی قسمیں کھا کے کہتا ہے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے زندہ ہوں کسی دلیل سے زندہ نہیں ہوا۔آپؐ کی قوت قدسیہ نے براہ راست مجھے زندہ کر دیا ہے اور وہ ٹیوننگ فور جو مدینے میں بج رہا تھا اور مرتعش تھا بظاہر دنیا سے رخصت ہو گیا مگر آج بھی اس کا ارتعاش لوگوں کے دلوں کو جو اس سے ملتے جلتے ہوں جو ہم مزاج ہوں جو اپنا سر اس کے حضور سرِ تسلیم کے طور پر خم کر دیں ان کے اندر وہی ارتعاش پیدا کر دیتا ہے،تو قوّتِ قدسیہ ہے جو لازم ہے اور یہ قوتِ قدسیہ قربِ الٰہی سے نصیب ہوتی ہے اس کے بغیر ممکن نہیں۔

پس قرآن کریم نے جو دعوت الی اللہ کا فارمولا بیان کیا ہے بالکل حقیقی اور سائنٹیفک ہے کہ تم کرو ضرور لیکن اپنے وجود میں وہ تبدیلیاں پیدا کرنی ہوں گی جو قربِ الٰہی کی نشان دہی کریں۔جو تمہارے عمل کو صالح بنائے یعنی اللہ کے قریب کر دے پھر تمہاری آواز میں ایک طاقت پیدا ہو جائے گی۔پھر تو بعض ایسے لوگ ہیں جو بولے بغیر بھی اصلاح کر دیا کرتے ہیں۔ان کے پاس آ کر بیٹھنے والے متأثر ہوتے ہیں اور عام دنیا میں آج کل بھی احمدیوں میں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔بعض لکھتے ہیں کہ ہم دفتر کی مجبوریوں کی وجہ سے تبلیغ نہیں کرتے تھے کیونکہ قانون ہے اور ہمارے معاہدے ہیں لیکن ہمارے ساتھ بیٹھنے والے بعض لوگ وہ دن بدن ہمارے قریب آنے شروع ہوئے جیسے ان کو محبت ہو گئی ہو اور آخر ایک دن بول پڑے کہ تم ہو کیا چیز، دنیا سے تو مختلف ہو۔یہی ملک ہے ہمارا ملک بھی اور دوسروں کا بھی یہاں تو ایسے نمونے نہیں نظر آ رہے جیسے تم ہو۔نہ تمہیں رشوت سے دلچسپی، نہ تمہیں اور کسی

بدی میں، اپنا دفتر کا کام انتہائی دیانتداری سے کرتے ہو، شرافت سے ہر ایک سے سلوک، اخلاق سے پیش آنے والے، ہر چھوٹے بڑے سے جھک کر اس کی بات سننے والے۔ یہ باتیں اس شخص نے بتائیں کہ ہمارے ایک دوست نے میرے سامنے آ کے بیان کیں جو ہمارے دفتر میں کام کرتا تھا۔ کہتا میں مجبور ہو گیا ہوں آپ سے پوچھنے کے لئے کہ آپ کون ہیں۔ یہ چیز کیسے حاصل ہوگئی۔ جب ان کو بتایا کہ میں احمدیہ جماعت سے تعلق رکھتا ہوں تو پھر وہ بھاگے نہیں کیونکہ اس کشش کا اتنا اثر تھا کہ انہوں نے کہا کہ مجھے لٹریچر دیں میں مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ لٹریچر لیا، مطالعہ کیا، خدا کے فضل سے احمدی ہو گئے۔ تو آغاز میں ایک لفظ بھی نہیں بولا گیا۔ یہ قوت قدسیہ از خود دلوں کو متحرک کر رہی تھی۔

پس اس علاقہ میں جس میں آپ بستے ہیں یہاں خدا سے دوری، اسلام سے دوری، یک طرفہ پراپیگنڈا اتنا سخت چل رہا ہے اسلام کے خلاف کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس علاقہ کو فتح کرنے کے لئے قوّتِ قدسیہ ضروری ہے وہ آپ کو حاصل ہوگی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اپنے نفس کو خدا کے لئے تیار کرنا جیسے ایک گھوڑی کو سدھایا جاتا ہے تاکہ وہ کاٹھی قبول کرلے تاکہ وہ لگام پہن لے اور پھر آپ کی مرضی کے تابع حرکت کرے اور آپ کی مرضی کے تابع سکون کرے، حرکت وسکون دونوں آپ کی مرضی کے تابع ہو جائیں تو نفس کے متعلق بھی ایسی ہی کیفیت ہے۔ جیسے ایک گھوڑی کو سدھایا جاتا ہے آپ سدھانا شروع کریں اور جتنا جتنا سدھائیں گے اللہ تعالیٰ کا تصرّف اس پر ہوتا چلا جائے گا اور جو نفس اللہ کے تصرف میں آئے گا اس میں لازماً طاقت پیدا ہوگی اس میں ایک ہُنر مندی پیدا ہوگی اور وہ پہلو اس کا ایسا بولے گا کہ اس کی آواز لازماً دوسروں کو سنائی دے گی۔

پس اس پہلو سے، اس بناء پر میں بار بار آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ اپنے نفوس میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں اور اپنی بیویوں میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں اپنی بہنوں میں، اپنے بھائیوں میں اور اس مضمون کو چھوڑیں نہیں جب تک آپ کا بار بار کہنا آپ کے گردوپیش میں تبدیلیاں نہ کرلے کیونکہ اکیلے کی تبدیلی کافی نہیں ہوا کرتی۔ اگر آپ خود تبدیلیاں کر رہے ہیں اور پاک تبدیلیاں ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ اور آپ کے گھر کا ماحول آزادانہ تھا اور ہر قسم کی بدیوں میں ملوث اور دنیا کے عیش وعشرت میں مبتلا تھے تو اگر آپ اکیلے تبدیلی پیدا کریں گے تو متنبہ رہیں اس بات میں کہ آپ کا گھر، آپ کے عزیز آپ سے دور ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ان کو عادت ہے اور اس طرح کی زندگی کی، اچانک ان کے اندر

وہ سمجھیں گے کہ مولوی پیدا ہو گیا ہے۔ اچھی مصیبت ہے اچھا بھلا پہلے ہمارے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا اوراب اس نے یہ کام چھوڑ دیئے ہیں اور ہمارے لئے بھی مشکل پیدا کر دی۔ اس لئے ماحول اور دوستوں میں تو یہ بات اتنا نقصان نہیں دیتی کیونکہ دوست چھوڑ دیں تو جائیں پھر، لیکن گھر کو چھوڑ کر آپ کہاں جائیں گے، اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں سے ضائع ہوتے کیسے دیکھیں گے۔

اس لئے اس کا دوسرا قدم یہ ہے کہ جب اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کریں تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کے چلیں، اپنی اولاد کو ساتھ لے کے چلیں اور حکمت اور پیار سے اگر ان کو سمجھایا جائے تو وہ ضرور ساتھ دیتے ہیں۔ اگر سمجھایا نہ جائے اور الگ آپ اپنی دنیا بنائے رکھیں اور سمجھیں کہ یہ ہمارے پیچھے ہیں، حکم سے مانیں گے تو جھوٹ ہے۔ حکم سے کوئی بھی نیکی نہیں مانا کرتا۔ یہ مودودی دماغ ہے جو یہ بات مانتا ہے کہ جبراً اور حکماً نیکیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ یہ بہت بڑا پاگل پن ہے۔ کبھی جبر اور حکم کے ذریعے نیکی پیدا نہیں ہوئی ہاں ایک مصنوعی عمل ضرور پیدا ہوا ہے۔ نیکی تو دل کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا نام ہے۔ پریڈ کا نام تو نہیں ہے۔ مودودی اسلام کے نتیجہ میں باجماعت نمازیں تو ہوسکتی ہیں اور داڑھیاں بڑھ سکتی ہیں، شلواریں ٹخنوں سے اوپر ہوسکتی ہیں اور ایک قسم کی بھیانک شکل ظاہر ہوسکتی ہے جو لوگوں کو کھینچنے کی بجائے متنفر کر رہی ہو اور اس پر یہ فخر کیا جائے کہ اسلام آ گیا اور دلوں میں خدا بیٹھ گیا بالکل جہالت اور بے وقوفی ہے۔

دلوں میں خدا بیٹھتا ہے ایسی پاک نصیحت سے جو دل میں جاگزیں ہو جائے، جو دل نشین ہو کر زندگی کا حصہ بن جائے اس کے بغیر یہ تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ پس جبراً اور حکماً آپ اپنے خاندان کو بھی نہیں بدل سکتے کجا یہ کہ مودودی تصور کے مطابق سارے معاشرے کو آپ تبدیل کر دیں۔ کبھی دنیا میں جبر نے پاک تبدیلیاں پیدا نہیں کیں مصنوعی صورتیں بدلی ہیں۔ لیکن روحوں پر جبر کا کوئی بھی دخل نہیں ہے۔ پس اس پہلو سے آپ دنیا کے تجارب پہ نظر ڈال کے دیکھیں ہر جگہ یہی دکھائی دے گا کہ جبر دل کا حسن پیدا نہیں کر سکتا۔

میں نے بارہا ان علاقوں کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے جہاں کسی زمانے میں احمدیت خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑے زور سے پھیلی تھی اور بہت بڑے بڑے خاندان تقریباً علاقہ کے سارے ہی معززین احمدی ہو چکے تھے اور اس کے بعد وہ پیچھے ہٹ گئے اور مجھے یہ بات اس لئے سمجھ نہیں آیا کرتی تھی کہ میں جانتا ہوں قرآن کے مطالعہ سے کہ وہ لوگ جو خود ایک دفعہ امام وقت کو قبول کر لیں وہ تباہ

نہیں ہوا کرتے پھر وہ پیچھے نہیں ہٹا کرتے لیکن قرآن کریم نے یہ بات ضرور فرمائی ہے کہ پھر بعض دفعہ ان کے وارث ایسے خلف ہو جاتے ہیں ایسی نسلیں ہو جاتی ہیں جو تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تو صاف پتا چلا کہ قرآن سچا ہے۔ یہ لوگ جو ابتداء میں احمدی ہوئے انہوں نے قربانیاں دیں اور قرب الٰہی حاصل کیا وہ نہیں پیچھے ہٹے، اولادیں چلی گئیں۔ مگر اولادوں کے جانے کی وجہ ہونی چاہئے۔ اگر باپ کا عمل نیک تھا تو کیوں اولادیں اثر کے نیچے نہیں آئیں اور کیوں دور ہٹ گئیں۔ جب بھی میں نے جائزہ لیا بلاشبہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوئی کہ ان باپوں نے اپنی بیویوں کے اندر پاک تبدیلی پیدا نہیں کی اور یہ سمجھتے رہے کہ بیویاں اس زمانے میں تو زیادہ ہی مطیع ہوا کرتی تھیں اب تو نئی نسل کی بیویاں اور طرح کی ہوگئی ہیں مگر اُس زمانہ میں بیویاں بہت مطیع ہوا کرتی تھیں ظاہری طور پر، اور اندر کھاتے بیٹھ کے اور باتیں کیا کرتی تھیں کیونکہ وہ اطاعت بھی جبر کی اطاعت تھی۔ اب جو اطاعت ہے وہ پیار اور محبت کی اطاعت ہے۔ یہ اطاعت جو ہے وہ Companionship کی اطاعت ہے۔ اِس میں اور اُس میں فرق ہے۔ تو پہلے زمانے میں بظاہر لگتا تھا کہ بڑا ہی اچھا زمانہ ہے کیسی شریف عورتیں ہیں خاوند کے سامنے آنکھ نہیں اٹھاتیں، بات نہیں کرتیں لیکن جب خاوند باہر چلا جائے تو پھر کیا کرتی ہیں۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ خاندان جن کا میں نے جائزہ لیا وہ پتا ہے کیا کیا کرتے تھے۔ وہ یہ کرتے تھے کہ خاوند جب گیا دفتر میں یا اپنے کاموں پر تو بیوی نے اولاد کے کان بھرنے شروع کئے اور کہا کہ تمہارا باپ تو پاگل ہو گیا ہے تمہاری ضرورتیں کاٹ کاٹ کر چندے قادیان بھیج رہا ہے اور دیکھو تمہارا کیا حال ہے۔ جائیدادیں اپنی جماعت کو دے رہا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے معصوم وہ ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے مگر ان کے دل پر اثر ضرور پڑتا ہے پھر کہ واقعی یہ تو باپ بڑا ظالم ہے اور ایسے بچوں نے مجھ سے خود ذکر کیا جو دور ہٹ گئے تھے میری ملاقات اور مجالس کے بعد جب بے تکلفانہ قریب آئے تو ایک دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا ہے، ایک ہی کہانی دہرائی گئی مگر بار بار دہرائی گئی کہ ایسے بچے قریب آئے انہوں نے کہا کہ آپ نے بالکل سچی باتیں کی ہیں ہم سے یہی گزری ہے۔

ایک نے کہا ہماری ماں تو ہمیں یہ مطالبے بتایا کرتی تھی۔ کہتی تھی کہ اپنے ابا سے کہو مجھے موٹر سائیکل لے دیں، مجھے فلاں چیز لے دیں اور جب ہم کہتے تھے تو باپ کہتا تھا میرے پاس تو نہیں پیسے۔ تو ماں کہتی تھی دیکھا وہی بات نکلی اتنا چیک اس نے قادیان بھجوایا ہے۔ وصیت کر بیٹھا

ہے، تمہیں اپنی وراثت سے بھی محروم کر دیا ہے۔تم مرو گے تو یہ جائیداد جو ہے اس کا دسواں حصہ وہ جماعت لے جائے گی۔وہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ایسا بداثر ان پر پڑا کہ انہوں نے وصیتیں بھی ادا نہیں کیں۔وہ ساری زندگی قربانی کرتا رہا مگر غیر موصی کے طور پر دفن ہوا۔تو گردوپیش کو دیکھنا تو بعد کی بات ہے اپنے گھر کو دیکھنا سب سے اوّل ہے اور یہاں جبر نہیں چل سکتا۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ فرضی باتیں ہیں کہ جبر کے ذریعے آپ خاندان کی اصلاح کر سکتے ہیں اس کو غلام بنا سکتے ہیں۔اپنی زندگی میں جب تک آپ میں طاقت ہے وہ جیسے کوئی ناک میں نکیل ڈالی ہو اور پیچھے پیچھے چلا رہے ہیں اس کو، پیچھے تو چل پڑیں گے لیکن نفرت کے ساتھ،ان ارادوں کے ساتھ کہ اب آنکھیں بند کرو پھر دیکھنا ہم کیا کرتے ہیں اور یہی ہوا کہ کثرت کے ساتھ بہت ہی مخلص خاندان جن کے سربراہ مخلص تھے جو فدائی تھے اپنی زندگی میں جب آواز آتی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے یا بعد میں خلفاء کی طرف سے جو حاضر ہوتا تھا پیش کر دیا کرتے تھے لیکن بیویوں سے غافل رہ گئے اور اولاد تو پھر بیویوں کے پیچھے چلی کیونکہ یہ دستور ہے کہ پانی نیچے کی طرف بہتا ہے۔بیویاں جس زندگی کی طرف ان کو بلاتی تھیں وہ آسانی کی زندگی تھی،آرام کی زندگی تھی۔باپ جس زندگی کی طرف بلاتا تھا وہ چڑھائی تھی،مشقت اور محنت کی زندگی تھی اور اگر حکمت سے کام لیتا تو بچوں اور بیویوں کو سمجھا کر، پیار اور محبت کے ساتھ لے کر چلتا تو کبھی وہ اولادیں ضائع نہیں ہو سکتی تھیں اور انہی علاقوں میں ایسی مثالیں ہیں جن علاقوں کی بات میں کر رہا ہوں۔ان میں تیسری نسل، چوتھی نسل بھی آ چکی ہے اور ہر نسل فدائیوں کی پیدا ہو رہی ہے کیونکہ بلا استثناء ان خاندانوں میں خاوندوں نے اپنی بیویوں کو قائل کیا اور عبادتوں میں اپنے ساتھ شریک کیا، جماعت اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ان کو گھول گھول کے پلائی یہاں تک کہ وہ دونوں فدائی بن گئے اور ان کی اولاد کبھی ضائع نہیں کی گئی۔ناممکن ہے کہ ایسے لوگوں کی اولاد ضائع ہو جائے سوائے اس کے کہ بعض دفعہ بدبختی سے ایسے ماحول میں ایک بچہ پڑ جاتا ہے جس پہ ماں باپ کی نظر نہیں ہوتی اور استثناء کے طور پر وہ ٹھوکر کھا جاتا ہے۔مگر میں نے تو نیک ماں باپ جہاں دونوں برابر کے شریک ہوں نصیحت میں اور تربیت میں ان کی اولادوں کو تو ضائع ہونے کے بعد بھی واپس آتے دیکھا ہے۔حیرت ہوتی ہے کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کا بھرم رکھتا ہے۔

آج ہی ایک خط مجھے ملا ہے ایک ایسے شخص کا جو کسی ملک میں ہے میں اس کی نشاندہی نہیں کرنا چاہتا، مجھے ملا تو پتا چلا کہ عمر کا ایک طویل عرصہ اب جو بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس کا دل واپس احمدیت کی طرف آیا ہے۔ نہایت مخلص فدائی ماں باپ کی اولاد مگر دور ہٹ گئی تھی اور کوئی توجہ نہیں تھی۔ واپس آیا ہے تو اس زور کے ساتھ، اس اخلاص کے ساتھ، اس احساس کے ساتھ کہ جو کچھ میں نے گنوایا ہے اس کو میں نے اب پورا کرنا ہے اور پوچھا کہ کیا ہوا تو کچھ سمجھ نہیں آتی۔ دنیا کی تو کوئی دلیل چلتی نہیں وہاں، وہ دعا ہے جو ماں باپ کی ہے جو گھیر کر اور طرح کی نکیل ناک میں ڈال کے لائی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی نکیل ہے وہ دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں دلوں کی پاک تبدیلیوں کی نکیل ہے۔

تو آپ کو جب تک اپنے بیوی اور بچوں پر حقیقی دسترس نہیں ہوتی حکم کی نہیں بلکہ پیار کی Companionship کی جس میں سارا خاندان ایک ہی طرح کا ہو اور اکٹھے ہی ایک طرف چلیں یہ دوسری منزل ہے جس کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں۔ اس کو آپ سمجھ جائیں گے اور اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی اولادوں میں بھی وہ پاک تبدیلی پیدا ہوگی اور آپ کی پاک تبدیلی میں مزید طاقت آئے گی۔ ورنہ ایک خاوند جب اپنی بیوی کو یا اپنے بچوں کو اپنے سے ہٹے ہوئے رستوں پر چلتا دیکھتا ہے تو اس کی آگے بڑھنے کی طاقت میں بھی کمی آجایا کرتی ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے چڑھائی چڑھ رہا ہے اور بوجھ اٹھایا ہوا ہے تو بوجھ اٹھا کے کہاں کوئی تیز رفتاری سے بلندی کی منازل طے کرسکتا ہے۔ ہلکے پھلکے قدم ہوں تو زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آدمی آگے بڑھتا ہے کہاں یہ کہ چار پانچ بیوی بچوں کا بوجھ کمر کے پیچھے لادا ہوا ان کو بھی گھسیٹ رہا ہے اوپر کی طرف، آپ بھی چلنے کی کوشش کر رہے ہو تمہاری رفتار میں لازماً کمی آئے گی اور وہ کمی بعض دفعہ مہلک ثابت ہوتی ہے آخر تھک کر لوگ چھوڑ دیتے ہیں۔

مگر جو طریقہ میں بتا رہا ہوں ایسے بچے ہوں جو آپ کے آگے آگے بھاگ رہے ہوں اور بعض بچے جب آپ پہاڑوں کے سفر کرتے ہیں تو جب ان کا دل چاہ رہا ہے کہ ہاں ہم بھی جائیں گے تو واقعۃً وہ دوڑ دوڑ کے آگے نکلتے ہیں۔ ماں باپ بعض دفعہ بلاتے ہیں کہ کہیں ٹھوکر نہ کھا جانا لیکن ان کی طبیعت میں ایسا جوش، ایسی بشاشت ہوتی ہے کہ روکے نہیں رکتے اور ماں باپ بجائے اس کے کہ ان کو کھینچ کر آگے لے کے جائیں گے ان کو تیز رفتاری کے خطرات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر بچہ نہ مانے اور آپ اس کو گھسیٹ کے لے کے جائیں تو پھر دیکھیں کیا حال ہے۔ جتنی

مرضی طاقت ہے وہ کہیں ٹھڈے مارے گا آپ کو، کہیں شور مچائے گا، کہیں آپ کے بال نوچے گا مصیبت میں مبتلا کردے گا یہاں تک کہ آپ کہیں گے چلو دفع ہو، نہیں جاتے کہ میں بھی نہیں جاتا تم بھی نہ جاؤ۔ تو یہ وہ روزمرہ کے زندگی کے تجارب ہیں جو زندگی کے اہم مسائل کو سمجھنے میں ہمیں مدد دیتے ہیں۔ پس ایسے ماحول پیدا کریں کہ آپ کے بچے آگے آگے بھاگیں اور واقعۃً جب ایسے بچے آگے بھاگتے ہیں تو وہ ماں باپ جن میں اتنا تیز چلنے کی سکت نہیں ہوتی سچ مچ روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور مجھے پھر وہ بچے شکایتیں بھیجتے ہیں۔ کہتے ہیں دیکھو ہمارے ماں باپ کو، ہم خدام کا یہ کام کرتے ہیں نیکی کا یہ کام کرتے ہیں ہماری اماں کہتی ہے کہ نہیں تمہیں اتنا کام نہیں کرنا، باپ کہتا ہے کہ نہیں اتنا وقت نہیں دینا تو آپ ہمارے ماں باپ کو سمجھائیں وہ ہمارے رستوں میں کیوں حائل ہو رہے ہیں۔ تو جو منظر میں نے سیر و تفریح میں، بچوں کے حال کا آپ کے سامنے رکھا روحانی دنیا میں بالکل وہی منظر ہے جو ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ جو بچے پھر دل کی مرضی سے اور دل کی گہرائی سے اپنے ماں باپ کے پیغام کے ساتھ ہو جائیں بسا اوقات وہ ماں باپ سے بھی آگے چھلانگیں مارتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ تو ایسی نسلیں پیدا کریں یہاں، وہ نسلیں کہ جب آپ آنکھیں بند کرلیں تو یقین ہو کہ وہ کبھی بھی ہمارے چلے ہوئے رستوں سے پیچھے نہیں ہٹیں گی، کبھی بھی ان راہوں سے قدم نہیں روکیں گی جن راہوں پر ہم زندگی بھر ان کو چلانے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ یہ وہ نسلیں ہیں جو آپ کی اور آپ کے پیغام کی ہمیشہ حفاظت کرتی چلی آتی ہیں۔ آپ کے مرنے کے بعد بھی ان کی نیکیوں کا اجر آپ کو پہنچتا رہے گا۔ آپ کے مرنے کے بعد بھی ان کی دعائیں آپ کو پہنچتی رہیں گی اور اس طرح نسلاً بعد نسلٍ یہاں ایک ایسا پاک تبدیلی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو لازماً اس ملک کی تقدیر کو بدل کے رہے گا۔

پس اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے رستوں پر اسی نہج پر چلنے کی توفیق بخشے جس نہج پر خدا کے پاک لوگ چلتے رہے اور جس کی طرف قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگا کرو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ (آمین)